

مرثیہ: ۱۶

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے

تعداد بند: ۱۳۰

بے رنگ سا کچھ رنگِ گلستانِ جہاں ہے گل گشت کی یہ جانہیں عبرت کا مکاں ہے
سوسن کی بھی ہے بند زباں ہوں ہے نہ ہاں ہے زگس کا یہ عالم ہے، بھیرت نگراں ہے

موقع جو ٹھہرنے کا نہیں پاتی ہیں بیلین

بڑھتی ہوئی آگے ہی چلی جاتی ہیں بیلین

گلزارِ جہاں سیر کے قابل نہیں زہار ہر گل کی یہ خواہش ہے گلے کا میں بنوں ہار
لازم ہے کھلتا ہی رہے بس صفتِ خار صیادِ اجل دام لئے رہتا ہے تیار

سوسن کی طرح کچھ نہ کہے اپنی زبان سے

بوئے گل تر بن کے نکل جائے یہاں سے

جو فحل ہے سیدھا اسے سمجھے کہ یہ ہے دار ہر شاخِ خمیدہ کو یہ جانے کہ ہے تلوار
دیکھے نہ توجہ سے جو ہو پھولِ طرحدار آدم کی طرح کوئی شمر کھائے نہ زہار

یہ خار کے دھوکے میں کسی گل کے نہ آئے

ہشیار رہے بیچ میں سنبل کے نہ آئے

کھوٹا ہے زراں کا نہ اسے کام میں لائے یاں قلب پہ لالے کی طرح داغ نہ کھائے
کیلوں کے تصور میں نہ دامن کو پھنسائے دل آئے تو بس سبزہ بیگانہ پہ آئے

تکلیف نہ پہنچے گی کہ یہ دل کو نہیں ہے

غیروں میں اب الفت ہے لگانوں میں نہیں ہے

وہ شاہ کہ رکھتے تھے جو فوج اور خزانے پسا ہوئے دھاوا کیا جس وقت قضا نے
جب مر گئے بیٹا نہ کوئی آئے سرہانے جو دبتے تھے وہ لے گئے مٹی میں دہانے

ہدم کوئی تیوری بھی چڑھانے نہیں آیا

دسوز کوئی شمع جلانے نہیں آیا

لازم ہے کہ غفلت نہ کرے دارِ فنا میں برباد نہ ہو جائے مسرت کی ہوا میں
مشہور اگر ہو تو مروت میں سخا میں لیکن رہے یوں، رہتے ہیں جس طرح سرا میں

فہمیدہ ہیں جو لوگ وہ ہشیار کھڑے ہیں

وقت آنے سے کچھ پہلے ہی تیار کھڑے ہیں

یا رات کو تھا گرد، گل انداموں کا جگھٹ غنچوں کے چکنے کی، گراں دل پہ تھی آہٹ
یا آخرِ شب، بدلی زمانے نے جو کر ڈٹ تابوت بنے صبح کو، سونے کے چھپر کھٹ

شداد نے پھل کچھ بھی ریاضت کا نہ پایا

ہستی کا چن لٹ گیا جب باغ لگایا

معلوم ہے نادر کی زمانے کو حقیقت ایراں کا شہنشاہ تھا، تھی اس کی یہ رفعت
خدا م تھے درگاہ کے اقبال و جلالت ملتا تھا کبھی حکم نہ جس کا کسی صورت

راحت کی نہ کچھ شکل نکالی گئی اُس سے

دم بھر کو بھی تو موت نہ ٹالی گئی اُس سے

معلوم نہیں جب کہ ہے کب تک ہمیں رہنا پھیر ایسی جگہ قصر بنانے کا محل کیا
افسوس کہ انجام سمجھتی نہیں دینا بے بودی اک چیز پہ سامان ہیں کیا کیا

جیتے ہی رہیں گے یہ خیر گر کہیں پاتے

فولاد کی اینٹوں سے مکانات بناتے

سب گھر ہی میں رہ جائیں گے سامان یہ گھر کے اک روز وہ ہوگا کہ چلے جائیں گے مر کے
شای کو کوئی لے نہ گیا چھاتی پہ دہر کے پھکتے پھرے اَنبارِ زر و نعل و گہر کے

یہ جرم کی تعزیر یہ غفلت کا صلا تھا

بیدردی سے اٹھا جو مشقت سے ملا تھا

درویش ہو یا شاہ ہو ناداں ہو کہ دانا یکساں نہیں گزرا ہے کسی کا بھی زمانا
بر میں بھی ہے خلعت تو کبھی رخت پرانا بن جاتا ہے سکلول گدا تاج شہانا

نخوت سے قدم کل جو نہ رکھتے تھے زمیں پر

آرام سے لیٹی ہے زمیں آج انہیں پر

۱۲

بچھتی تھی سدا جن کیلئے مسجدِ پرڈر وہ قبر میں لینے ہیں نہ نکیہ ہے نہ بستر
نے فاتحہ، نے پھول، نہ غنوار، نہ یادہ ہاں شب کو کبھی ماہ چڑھا جاتا ہے چادر

کچھ دیر میں کیا جانے کدھر جاتی ہے وہ بھی

دن ہوتے ہی تربت سے اتر جاتی ہے وہ بھی

۱۳

ہر دم ہے نیا رنگ ہر اک وقت نیا دور ہمرنگِ زمیں دام بچھے ہیں جو کرے غور
جو راہ بھی سیاح چلا پھنس گیا فی الفور یہ باغ وہ ہے، سیر کی اس کے ہے روش اور

پھولوں سے نہ کچھ کام رکھے اور نہ شمر سے

بس دیکھ لے جو کچھ بھی گزر جائے نظر سے

۱۴

جس قطع میں تھے باغ وہی بن گیا صحرا ہے عالم ہو، جس میں ہوا کرتا تھا جلسا
دارا ہے نہ ضحاک، فریدوں ہے نہ کسرا اب اُن کے نشاں تک نہ رہے نام تھا جن کا

آنکھوں ہی سے مردم کی نہیں صرف نہاں ہیں

یہ بھی نہیں معلوم مزار اُن کے کہاں ہیں

۱۵

غم کھاتا تھا جو صبح و مسا وہ بھی نہیں اب جو نعمتیں کھا کھا کے پلا وہ بھی نہیں اب
جو بن گیا بندہ سے خدا وہ بھی نہیں اب جس کیلئے گلشن یہ بنا وہ بھی نہیں اب

کچھ چیز جو ہوتا یہ زما نہ تو ٹھہرتے

محبوبِ خدا دہر سے ہجرت نہیں کرتے

دنیا کا خیالی ہے جو یہ جاہ و حشم ہے دو روز کا یہ طبل، یہ نوبت یہ علم ہے
اور ہستیٰ انساں کو جو دیکھو کوئی دم ہے اس پر بھی گرفتار ہو کوئی تو ستم ہے

ہر چند جبیں گھس کے مٹایا نہیں مٹتا

۱۷ مطلع سچ یہ ہے کہ تقدیر کا لکھا نہیں مٹتا

جب رات کے دورہ کو کیا ختم کرنے عالم کو دکھایا رُخ پُر نور سحر نے
دھلائی بہار اپنی جو کھل کر گل تر نے اک آہ بھری بلبل تفتیدہ جگر نے

ہر قلب شگفتہ تھا ہر اک شے پہ تری تھی

۱۸ گلشن میں صبا اپنی ہوا باندھ رہی تھی

وہ جلوہ گری صبح کی وہ وقت سہانا وہ ڈوبنا تاروں کا وہ خورشید کا آنا
سبزہ کا وہ پھولوں سے الگ رنگ بمانا وہ باغ وہ عشق گل و بلبل کا زمانا

دیوار پہ چہکی کبھی زیر شجر آئی

۱۹ اس شاخ پہ بیٹھی کبھی اُس پھول پر آئی

احرام کی تکبیر تھی شاخوں کا چکنا تسبیح کی آواز تھی غنچوں کا چکنا
قرآن کی تلاوت تھی عنادل کا چکنا سجدہ کا سر انجام تھا سبزہ کا لہکنا

آمادہ طاعت جو سب اشجار ہوئے تھے

۲۰ گلہستے ازاں دینے کو تیار ہوئے تھے

یارب مجھے گلزارِ کرم سے گل تر دے بُستانِ فصاحت سے کوئی تازہ شمر دے
دے لعل نہ یا قوت نہ الماس و گہر دے ہاں دامنِ سائل دُرِ مقصود سے بھر دے

تابع ہو مری فوجِ مضامین تو مزا ہو

رتبہ وہ ملے جو نہ سلیمان کو ملا ہو

کچھ غم نہیں عشرت جو مقدر میں نہیں ہے سودائے زر و مال مرے سر میں نہیں ہے
ارمانِ حکومت دل مضطر میں نہیں ہے دولت وہ ملی شاہوں کے جو گھر میں نہیں ہے

حامی بخدا صاحبِ معراج ہے میرا

منبر ہے مرا تخت، علم تاج ہے میرا

محتاج نہیں فقر کی دولت سے غنی ہوں نازاں ہوں تو گل پہ قناعت کا دھنی ہوں
مداح سخی کا ہوں نہ ممک نہ دنی ہوں میں جو ہری گوبر شیریں سخی ہوں

عاجز کبھی یہ ہمت عالی نہیں رہتی

درویش کی جہولی کبھی خالی نہیں رہتی

تحسین کی لوگوں سے تمنا نہیں رکھتا تعریف کی توصیف کی پروا نہیں رکھتا
دل میں ہوئے منصبِ اعلا نہیں رکھتا سب کچھ مجھے خالق نے دیا کیا نہیں رکھتا

اقبال کے ہیں نقشِ طبیعت کے نگلیں میں

معدن ہیں جواہر کے مرے دل کی زمیں میں

بے زر ہوں مگر شاہوں سے کچھ کام نہیں ہے محتاج ہوں پر دل مرا ناکام نہیں ہے
بے نام و نشان ہوں، طلب نام نہیں ہے قانع ہوں خیال ہوئے خام نہیں ہے

سلطان سے غرض مجھ کو نہ کچھ کام گدا سے

مطلب ہے فقط مدحِ امامِ دو سرا سے

بیمار ہوں ایسا کہ شفا کا نہیں طالب دنیا کے طبیبوں سے دوا کا نہیں طالب
پستی میں ہوں پر اوجِ ہما کا نہیں طالب کبھت ہوں مگر دوشِ صبا کا نہیں طالب

بلبل ہوں مگر درد سے نالا نہیں کرتا

عالم کو فغاں سے تہہ و بالا نہیں کرتا

دریا ہوں مگر جوش، سمندر سے فزوں ہے قطرہ ہوں مگر، مرتبہ گوہر سے فزوں ہے
غنچہ ہوں مگر رنگ گل تر سے فزوں ہے ادنیٰ ہوں مگر قدر، سکندر سے فزوں ہے

آقا مرے معبود نے وہ مجھ کو دیا ہے

جس نے کہ سلیمان کو سلطان کیا ہے

کچھ کھیل نہیں قصدِ ثنائے شہِ اکرم عاجز ہیں، یہاں جن و ملک اس میں ہوں، یا ہم
حقا کہ یہ ہیں تاج سرِ عرشِ معظم مداح ہے خود ان کا خدا و دو عالم

کس طرح سے ممکن ہو شائق کے ولی کی

جو وصف نبیؐ کا وہی تعریف علیؑ کی

نافہم سے گوہر کی ثنا ہو نہیں سکتی قطرہ سے سمندر کی ثنا ہو نہیں سکتی
اک ذرہ سے اختر کی ثنا ہو نہیں سکتی جاہل سے پیہر کی ثنا ہو نہیں سکتی

کس طرح زمیں سے ہو صفتِ عرشِ علا کی

کیا خاک ہو بندے سے بھلا حمدِ خدا کی

اب حالِ ملالِ شہِ صفر کا بیاں ہے تاراجیٰ گلزارِ پیہر کا بیاں ہے
ظلمِ پسرِ سعد بد اختر کا بیاں ہے ذکرِ ستمِ گردنِ و خنجر کا بیاں ہے

شبیرؑ پہ میاں میں عجب ظلم و ستم ہیں

اک پیاسے پہ دو لاکھ کی تلواریں علم ہیں

تنہا ہیں امامِ مدنی ظلم کے بن میں خاک اڑتی ہے ہر سمت محمدؐ کے چمن میں
باہجے عربیٰ بختے ہیں اک حشر ہے رن میں ہے فاطمہؑ کا لال عجب رنج و محن ہیں

اندوہ کی آفت کی مصیبت کی گھڑی ہے

فرزندِ پیہر پہ قیامت کی گھڑی ہے

مقتل کی طرف دہکیہ کے تڑپا جو دل زار فرمایا شہ دین نے کہ اے بھائی علمدار
اب عازم جنگاہ ہے یہ بیکس و ناچار لازم ہے مدد میری کہ ہوں غم میں گرفتار

قاسم سے یہی کہہ دو کہ چچا رن کو چلا ہے

اکبر ہیں کدھر باپ مصیبت میں گھرا ہے

یہ کہہ کے کیا رخس پہ جلوہ شہ دین نے کھولا بہ ادب چتر زری مہر میں نے
بڑھ کر قدم پاک لئے روح امیں نے دیکھا یہ حکم باد شہ عرش نشیں نے

تھا جوشِ ولا جامِ محبت کے پیئے تھے

حلقہ میں رسولانِ خوش اطوار لئے تھے

القصہ بڑھا حائیِ اسلامِ محمدؐ حیدرؒ کا آئند وارثِ مصمصِ محمدؐ
ہمراہ چلا لشکرِ احکامِ محمدؐ بڑھتے ہی پڑھا نامِ خدا نامِ محمدؐ

اقبال و حشم صورتِ چادش رواں تھا

تکبیرِ ذہل، نعرۂ صلوات، اذان تھا

کس جاہ و جلالت سے روانہ ہوئے سرورِ مرتجٰ فلک کانپ گیا ڈر سے فلک پر
اکبار ہوا سے جو ہلی، زلفِ عنبرِ فردوس کی خوشبو سے ہوا دشتِ معطر

بو پھیلی جو گیسوئے امامِ دو سرا کی

گردوں سے صدا آنے لگی صلِ علا کی

گھوڑے پہ ہیں شبیر کہ دلدل پہ علیؑ ہیں ان کے جو شرف ہیں وہ زمانے پہ جلی ہیں
سردارِ دو عالم ہیں ولی ابنِ ولی ہیں کونین کے ہادی ہیں امامِ ازلی ہیں

کیا جاہ ہے کیا شان ہے کیا عز و شرف ہے

تیور سے عیاں رعبِ شہنشاہِ نجفؑ ہے

اللہ رے شان اور سواری کا وہ ساماں تھا مے تھے رکاب شدیں قدسی و غلاماں
اور فرق پہ تھا چتر کی جاسایہ سبحاں اُس دن پہ تھی سو جاں سے شب قدر بھی قرباں

تھا شور نہ مہر و مہ افلاک کو دیکھو

ہاں راکب دوش شد لولاک کو دیکھو

۳۷

شہدِ فلک سیر کا کیا وصف بیاں ہو آنکھوں میں پھرے یہ، تو نہ تپلی کو گراں ہو
پھولوں پہ گلگوں جو نزاکت سے رواں ہو تازہ ہو چمن باؤ بہاری کا گماں ہو

رفقار میں پیرو یہ نہیں کہک دری کا

گر حور کا چہرہ ہے تو انداز پری کا

۳۸

اس رخس کے اک نعل کی ضو ہے مہ تو میں سرعت صفت سایہ ہے ہمراہ جلو میں
شہدِ فلک ٹھو کریں کھائے تگ و دو میں تاعرش چلا جائے جو آجائے یہ رو میں

حضرت کے جو قدموں سے سرافراز تھا گھوڑا

جبریل کا بھی قوت پرواز تھا گھوڑا

۳۹

تازی کے مقابل شد خاور نہیں آتا اس سیل کی جانب تو شاور نہیں آتا
خواب آتا ہے آنکھوں میں نکاور نہیں آتا اس رنگ سے آتا ہے کہ باور نہیں آتا

ممکن نہیں یہ گرم روی باؤ سحر سے

پتلی وہ، کہ رفقار میں لڑتی ہے نظر سے

۴۰

کیا حسن و جمال شد ذیشاں کی ثنا ہو سون سے بھلا کب چمنستاں کی ثنا ہو
پیار سے کیا عیسیٰ دوراں کی ثنا ہو پروانہ سے کب سرو چراغاں کی ثنا ہو

یاں ماند ہوئی وادیٰ ابن کی ضیا بھی

عاشق ہیں اسی حسن کے محبوب خدا بھی

ہے پردہ چشم ان کا مگر پردہ اسرار ہیں پیش نظر گردش تقدیر کے آثار
پلکوں میں ہے یوں زگس بیمار کی رفتار گویا کہ ہیں کانٹوں میں رواں عابد بیمار

بیمار نے کلفتِ غم و بیداد سے پائی

پر صحتِ مضمون کی سندِ صاد سے پائی

ہے ابرو و بینی سے عجب چشم کو راحت یہ تکیہ بیمار وہ محرابِ عبادت
پر ضعف و نقاہت سے نہیں تابِ اقامت بیمار اشاروں سے ادا کرتے ہیں طاعت

ابرو میں یہ توقیر جو پائی مہِ نو نے

کعبہ کی طرف پشت پھرائی مہِ نو نے

کس طرح سے وصفِ دہن پاک ہو مرقوم نے ذہن پہ ثابت نہ تصور کو ہے مفہوم
جو ہر پہ نہ اظہار ہے نے علم کو معلوم اک نکتہ پنہاں کہوں یا نقطہ موہوم

دیکھا تھا کتب میں کہ کوئی لفظ دہاں ہے

معنی کو جو سمجھا تو نہ سمجھا کہ کہاں ہے

کا کل ہے شرف میں شہِ معراج کی ہمسر اس وادیِ ظلمت کو ملا بختِ سکندر
جب عرض کیا طول، سید ہو گئے دفترِ قنبر کی طرح، بندہ بے دام ہے عنبر

خفت سے نہیں شکل دکھاتی ہے شہِ قدر

چھپ چھپ کے سدا خلق میں آتی ہے شہِ قدر

تصویرِ معانی رخِ زیبا نے دکھائی بیکار ہے آئینہ کی اک طرفہ صفائی
حیران ہوں کیوں شمع نے لو اس سے لگائی پینا ہوں مری آنکھ میں چربی نہیں چھائی

والطور ہے لختِ دلِ عمران کی صورت

کہہ دوں گا حلف سے کہ ہے قرآن کی صورت

خورشید میں طلعت ہے، صباحت نہیں ایسی سنبل کے ہے کا کل پہ طوالت نہیں ایسی
یوسف میں ہے گر حسن ملاحظت نہیں ایسی قرآن کی ہے صورت پہ شرافت نہیں ایسی

ایمن میں تجلی ہے نمود اس میں نہیں ہے

طوباً میں ہے قامت تو قعود اُس میں نہیں ہے

۳۷

دم دیتی ہے خود تنخ علیٰ جس پہ وہ ابرو وہ آنکھ کہ پہروں جسے دیکھا کرے آہو
معراج کی شب جس پہ تصدق ہو وہ گیسو ہے فاطمہ کا رشتہ جاں جس کا ہر اک مو

کب ان کی مہک غرب سے تا شرق نہیں ہے

واللہ کہ اس میں سر مو فرق نہیں ہے

۳۸

پیشانی انور کہ قمر نور فشاں ہے رخسار ہیں وہ گل کہ فدا جس پہ جناں ہے
جو حسن کے گلشن کا ہے غنچہ وہ دہاں ہے شانوں سے تو شان اسد اللہ عیاں ہے

کس حسن سے شہدیز پہ فرزندِ بنی ہیں

رفرف پہ پیبر ہیں کہ دُلڈُل پہ علیٰ ہیں

۳۹

کیوں ہونہ ثنائے لب رگمیں میں زباں لال یاں لعل بھی بے قدر ہیں، یا قوت ہے کیا مال
دنداں ہیں، دُرِ سَمّہ زہرائے خوش اقبال و صاف رہے، جن کے پیبر بھی مہ و سال

موتی یہ وہ موتی ہیں جو قابل ہیں ثنائے

انجم ہیں سپر کرم ربِ علا کے

۵۰

گویا ہے دہن باغ فصاحت کا شگوفہ رحمت کا کرشمہ ہے عنایت کا شگوفہ
اعجاز کا غنچہ ہے کرامت کا شگوفہ دیکھو چمن صنع میں قدرت کا شگوفہ

قرآن کا اشارہ ہے کہ تفسیر میں دیکھو

یہ لفظ مقدر مری تقدیر میں دیکھو

قامت دمِ رفتارِ قیامت کا الف ہے اعجاز کا ہمزہ ہے کرامت کا الف ہے
ایمان کا ایماں ہے امامت کا الف ہے آغازِ اطاعت یہ اقامت کا الف ہے

گو غم سے اقامت کا الف، نون ہوا ہے

اس میں بھی نبوت کی نیابت کا پتا ہے

۵۲

لو مستعدِ جنگ ہوا خلق کا والی لو چرخ پہ خورشید نے دستار سنبھالی
لو دشت میں اب چمکے گی ہمشیر ہلالی لو خوف سے تھرائے عدوئے شہِ عالی

اک شور ہے رن میں یہ قیامت کی گھڑی ہے

جانوں سے خبردار، اجل سر پہ کھڑی ہے

۵۳

چلاتے ہیں افسر کہ خبردار جوانو حشر آئے گا چلنے کو ہے تلوار جوانو
ضیغ سے رہو جنگ پہ تیار جوانو پھرا ہوا شیر آتا ہے ہشیار جوانو

دیتے ہیں اماں جنگ میں جن کو نہ بشر کو

کردیتے ہیں پانی یہی پتھر کے جگر کو

۵۴

لشکر سے بن سعد کے تیر آئے جو نگاہ گھوڑے پہ عجب شان سے سنبھلے شہِ ذبیحہ
تھرائی زمیں کوہ بھی کانپے صفتِ کاہ اک غل ہوا آئے ہیں پئے جنگ ید اللہ

نعرہ جو کیا بڑہ کے شہِ عرش نشیں نے

اللہ کرے خیر، کہا روح امیں نے

۵۵

فرمایا کہ ہم آتے ہیں ہشیار لعینو اب رخس کو گرماتے ہیں ہشیار لعینو
جرات تمہیں دکھلاتے ہیں ہشیار لعینو پھل تیغ کا چکاتے ہیں ہشیار لعینو

طاقت ہے ہر اک طرح کی اس خاک نشیں کو

چاہوں تو اشارہ میں الٹ دوں میں زمیں کو

ہرگز نہ رکیں ہم جو فراہم ہو زمانا اے اہلِ ستم فوج کی کثرت پہ نہ جانا
ممکن نہیں شبیر سے جانوں کا بچانا بچو قبر طے گا نہ کہیں اور ٹھکانا

بیکس ہوں مگر غیظ جو آیا تو وہیں ہوں

پیٹا ہوں علیٰ کا میں کوئی اور نہیں ہوں

بس خیر اسی میں ہے کہ اب شر نہ بڑھاؤ کیا مال کا نشہ ہے ذرا ہوش میں آؤ
دنیا کے لئے دین کی دولت نہ گنواؤ جھوٹی ہے یہ مردار اسے منہ نہ لگاؤ

رخ اس کا منور سہی مُز جائے تو کیا ہو

اچھا یہ پری رو ہے، پر اُڑ جائے تو کیا ہو

دانا وہ ہے جو فقر کی دولت پہ غنی ہے کافور ہو یہ نا شدنی یہ شدنی ہے
گھر اُس کا بگاڑا ہے دلہن جس کی بنی ہے دانے پہ جو مر جائے یہ دنیا وہ دنی ہے

موت اس سے جو مانگو تو یہ ناپاک نہ دے گی

مرجاؤ تو مٹی کے سوا خاک نہ دے گی

ہم مظہر حق مظہر حاکمین خدا ہیں اسکندر آئینہ آئین خدا ہیں
قرآن خدا شرع خدا دین خدا ہیں اک حُسن یہ ہے موردِ تحسین خدا ہیں

کفار کے قاتل ہیں محبوں کے معین ہیں

دم جس سے نکلتے ہیں وہ یسین ہمیں ہیں

لرزاں ہے دل گا و زمیں ڈر سے ہمارے سجدہ میں ہیں گردوں کے مکیں ڈر سے ہمارے
ہے زلزلہ میں عرش بریں ڈر سے ہمارے غش ہوتے ہیں جبریل امیں ڈر سے ہمارے

وہ کب ہے کسی اور میں طاقت ہے جو ہم میں

کچھ یاد ہے کس طرح لڑے پیر الم میں

ہم دیو سے میدان میں ڈرتے ہیں نہ جن سے لڑنے کو ہیں موجود غرض شب سے نہ دن سے
کہہ دو عمرِ سعد سے لڑواتا ہے کن سے کیا خاک کریں جنگ بھلا جم کے ہم ان سے

اک حملہ کی بھی تاب کوئی لا نہیں سکتا

ہو جمع جو عالم تو ظفر پا نہیں سکتا

۶۲

لو دیکھو نہ دیکھی ہو جو حیدر کی لڑائی دکھلاؤں تمہیں فاتحِ خیبر کی لڑائی
کم سمجھو نہ اس بے کس و مضطر کی لڑائی ہے جنگِ مری ضعیفِ داور کی لڑائی

شمشیرِ علی لاشوں سے رن پاٹ چکی ہے

خیبر میں فرشتے کے یہ پرکاٹ چکی ہے

۶۳

یہ تیغ کبھی اہل جفا سے نہیں رکتی تھمتی نہیں بجلی سے، ہوا سے نہیں رکتی
جن سے نہیں رکتی، یہ بلا سے نہیں رکتی جب چلتی ہے پھر خلقِ خدا سے نہیں رکتی

مہلت اسے ملتی ہی نہیں قتلِ عدو سے

بھرتا ہی نہیں پیٹِ سنگھ کا لہو سے

۶۴

واللہ مددگارِ پیہر ہے یہی تیغ غارِ نگر ہر مشرکِ خودمر ہے یہی تیغ
آئینہٴ انصاف کا جو ہر ہے یہی تیغ برہم گن ہر مجمع و لشکر ہے یہی تیغ

کیا اصلِ بشر، کاٹ کو جن جانے ہوئے ہیں

جن کیسے، فرشتے بھی اسے مانے ہوئے ہیں

۶۵

فرما کے یہ شیر نے لی میان سے تلوار مہمیز جو کی، فوج میں تھا شیر کا رہوار
گوئجا اُسیدِ ضعیفِ معبود جو اکبار ثابت یہ ہوا پھٹ کے گرا گنبدِ دوار

بیٹ سے قدم اٹھنے لگے فوجِ لعین کے

دہشت سے قدم رہ گئے بل بل کے زمیں کے

لو رن میں چلی شاہ کی ہمشیر شرر بار چورنگ ہیں ہر ضرب میں راکب مع رہوار
ہر سمت عیاں دشت میں ہیں حشر کے آثار برق غضبِ حق ہے چمکتی ہوئی تلوار

حجی شہِ ذبیحہ جب اس قدر میں چمکی

ثابت ہوا ہمشیرِ علی بدر میں چمکی

حاشا کسی تلوار میں یہ دم نہیں دیکھا دیکھا نہیں یہ کاٹ یہ چم خم نہیں دیکھا
برساتے لہو کب اسے پیہم نہیں دیکھا میدان میں کب حشر کا عالم نہیں دیکھا

کیا تاب ہے آگے جو کوئی پُر جگر آئے

جوہر جو کھلے حور کے گیسو نظر آئے

مستانہ چلی سیرِ چمن کو جو پر یزاد تعظیم کو پھولوں کی رگیں ہو گئیں استاد
قامت کی پھین دیکھتے ہی گر گیا شمشاد اللہ رے قلمِ سرو کی نس نس ہوئی آزاد

خوشے تو دہکتے تھے کہ یہ مرغِ اجل ہے

پھول اس لئے کھاتے تھے کہ فردوس کا پھل ہے

جس کے پاس یہ پھل ہو وہ نہ کس طرح سے پھولے اللہ کے گہر کی ہے نہ کیوں عرش میں جھولے
جس کو یہ کرے یاد وہ کیوں دم کو نہ بھولے انگلی میں ہو چھالا جو کوئی خواب میں چھولے

گردوں کا محل گر گیا اک دھوم مچی ہے

بس چھوٹی سی محراب مہ نو کی بچی ہے

آئینہ بھی اور صیقلِ آئینہ دیں بھی صورت وہ کہ مداح ہے قرآن میں بھی
اس حسن پہ وہ قطع کہہتے ہیں حسین بھی ترنے میں یہ مایا ہے مگر ماہِ جبین بھی

پیری کبھی گہر فوجِ بد انجام میں ڈوبی

دن کاٹ کے سورج کی طرح شام میں ڈوبی

خالی تھے پرے، جان جہاں خوں میں بھری تھی پیکانوں میں غنچے تھے، نہ تیروں میں سری تھی
چار آئینوں میں، تیغ کی کیا جلوہ گری تھی آئینہ میں طوطی تھے تو شیشے میں پری تھی

اس برق سے بدلی کی طرح چھٹ گئیں ڈھالیں

شب ہائے جوانی کی طرح کٹ گئیں ڈھالیں

۷۲

لب کاٹتے رہ جائیں سخن رسِ دہن ایسا نشتر سا کھٹک جائے جگر میں سخن ایسا
دیکھے سے پھڑک جائے طبیعت بدن ایسا برپا ہو ہر اک گام پہ محشر چلن ایسا

گلو کے بگڑنے میں بناوٹ ہے غضب کی

مرتے ہیں سب اس پر کہ لگاوٹ ہے غضب کی

۷۳

گر جانے کو یہ برق ہے پھر جانے کو پانی قاتل میں خموشی پہ ہے کیا چرب زبانی
پھر حسن کا دعویٰ نہ غرور ہمہ دانی پریوں کے اشارے اسے کہتے ہیں جوانی

طوطی سا وہ پہڑ کے اگر آئینے سے لگ جائے

بسل بھی تڑپتے تھے کہ پھر سینے سے لگ جائے

۷۴

ہے قصرِ فلک میں کبھی محراب کبھی محراب ہے تارِ نفس کو کبھی مضرب کبھی مضرب
ہر دم العجب تیغ کے اعمال ہیں نایاب پہیم متحرک ہے پہ ظاہر نہیں اعراب

بے وجہ نہیں آئی ہے تصویر الف میں

مانند زبرِ فتح ہے تقدیر الف میں

۷۵

جوہر سے عجب حسن ہے اس آفت جاں پر کیا جلوہ افشاں ہے زرخِ نور فشاں پر
ہے عقدِ ثریا کا گزر کاہ کشاں پر یا پیاس سے کانٹے گل زہرا کی زباں پر

یہ خوشہ نہ تا کے تو پئے جان بھی ہے

تحلیل ہیں دل جس سے وہ تسبیح بھی ہے

ان تاروں نے گردوں کا جگر چھان دیا ہے ان اولوں نے میداں میں سدا کھیت لیا ہے
کنٹھا اسے ہر صاحب جوہر نے لکھا ہے اب سلکِ سخن میں ڈر ایجاد نیا ہے

کنٹھا یہ گلے میں نہیں ہے دامِ زرہ کا

ڈورا ہے اسی چاند کی یہ ساگرہ کا

۷۷

تسبیحِ زمرد ہے خطِ جوہرِ شمشیر یا آئینہ میں طوطیِ الحمد کی تصویر
کہتی ہے ظفرِ سورۃِ الفتح کی تفسیر یوسف کا بیاں ہے کہ مرے خواب کی تعبیر

اے تیغِ علیٰ سب ہی تجھے مان چکے ہیں

ثابت ہے کہ تارے ترے سجدے کو جھکے ہیں

۷۸

کہتی تھی مرا دور ہے ایمان کی صورت ہاں چرخ سے اتری ہوں میں قرآن کی صورت
آقائے مرے پائی ہے اس شان کی صورت و الفتح بھی مداح ہے رحن کی صورت

فوجوں سے کبھی کھیت میں کچھ بن نہیں آیا

کیا اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا نَبِيًّا

۷۹

جن سے بھی مقابل ہو جسارت وہ غضب کی پانی ہی میں رہتی ہے طہارت وہ غضب کی
لاکھوں میں لڑے آنکھ شرارت وہ غضب کی دریا بھی جہنم ہو حرارت وہ غضب کی

حُتَاد کے دل جلتے ہیں مذکورِ شر سے

ڈورے کی ندا ہے مرا رشتہ ہے ستر سے

۸۰

لاکھوں سے یہ اک تیغِ دوسرے رک نہیں سکتی رستم سے یہ بالائے سپر، رک نہیں سکتی
روکیں تو اسے لاکھ مگر، رک نہیں سکتی یہ مائے دریائے ظفر، رک نہیں سکتی

ہاں جانتے ہیں بالِ تلک کاٹ کو اس کے

دریائے فنا مان گیا گھاٹ کو اس کے

وہ دست زبردست وہ تلوار وہ چم خم وہ ضرب قیامت کی وہ اک حشر کا عالم
پھرا ہوا تھا رن میں ید اللہ کا ضیغ پیری میں یہ اندازِ وفا پیاس میں یہ دم

گو معرکے صفین میں، خیر میں پڑے تھے

یوں پیاس میں لیکن شہ مرداں نہ لڑے تھے

۸۲

بے جاں نہ ہوا تھا کوئی عباسؑ سا بھائی کب ہاتھ سے یوں دولتِ اولاد گنوائی
میدان سے کب لاش بھیجے کی اٹھائی کس روز بھلا پانی کی اک بوند نہ پائی

کیا کیا نہ لڑے فوج سے اس تشنہ لبی میں

مخصوص تھا یہ وصف حسینؑ ابن علیؑ میں

۸۳

جب تیغ کو تولے ہوئے جھپٹے شہِ والا تر بھر ہوئے اسوار تو پیدل تہہ و بالا
پھر ایک جفا کار نے بھالا نہ سنبھالا یہ صف نہ رہی ہو گیا غارت وہ رسالہ

جزار نے ستمراد کیا فوجِ عدو کا

میدان میں لہو بہ گیا ہر عربہ جو کا

۸۴

تھے تیغ بکف رن میں جو سلطان سرافراز حملوں سے عیاں تھا اسد اللہ کا انداز
ہر وار میں دوزخ کو روانہ تھے دغا باز بے جاں تھے وہی جن پہ بن سعد کو تھانا ز

کھٹے سپہ شام کے مقتل میں پڑے تھے

سبہ ہوئے سردار سب اک ہمت کھڑے تھے

۸۵

اللہ رے و غنائے خلیفِ حیدرؑ کرار افلاک بھی قدسی بھی دہل جاتے تھے ہر بار
بیدم تھے جو اسوار تو مجروح تھے رہوار کی تھی جو خطا چھپتے تھے گوشوں میں کماندار

اک شور تھا شبیرؑ شجاع ازلی ہے

کیونکر نہ یہ ہیبت ہو کہ دلہندِ علیؑ ہے

وہ دست سرافراز وہ شمشیر فلک قدر بجلی کبھی چمکی کبھی تابندہ ہوا بدر
تھا لشکرِ اشرار میں ہر چار طرف غدر ہر ضرب میں کنتے تھے برابر جگر و صدر

برش تھی غضب کٹ رہے تھے قلب و جگر بھی

کیا قلب و جگر قطع کئے تارِ نظر بھی

۸۷

اس تیغ کی رفتار سے کم ظرف تھے پامال جانیں ہوئیں صرف اُن کی جنہیں تھی ہوسِ مال
حیرت زدہ تھے صورت آئینہ بد افعال ماضی کا نہ تھا ہوش نہ مطلق خبر حال

ہستی سے نشاں مٹ گیا ہر عہدہ جو کا

منظور تھا اثبات اُسے نفیِ عدو کا

۸۸

خونخواروں میں یکتا تھی دل آزاروں میں کامل برش تھی قیامت تو ادا اسکی تھی قاتل
وہ ناز کی رفتار کہ دشمن کا پے دل روئیں گلِ جوہر پہ فدا شکلِ عنادل

بے وجہ نہ تھی اُس کو طلبِ رن میں لہو کی

ناخن پہ لگاتی تھی حنا خونِ عدو کی

۸۹

جلِ جل کے ہوئے تیغِ شہزادِ دم سے عدو سرد بھڑکے ہوئے تھے آگ کے شعلے دمِ نادر
جانوں کو بچا کر جو فراری ہوئے نامرد خورشید چھپا دھبِ ستم میں یہ اٹھی گرد

اندھیر عجب طرح کا تھا ظلم کے بن میں

دن شامیوں کو رات نظر آتا تھا رن میں

۹۰

میدان میں مقابل ہو کلیجا ہے یہ کس کا مرجاتا ہے وہ اس کو خیال آتا ہے جس کا
کرتی ہے رواں خوں، تنِ ناپاک و نجس کا کٹ جاتے ہیں حاسد جو بیاں ہوتا اس کا

قتال جہاں، قہرِ خداوندِ ازل ہے

اس تیغ کا سایہ نہیں سیفی کا عمل ہے

گلگلوں نے دمِ جنگِ عجب رنگ جمایا پھر کھیت کے اندر کسی باغی کو نہ پایا
انصاف و عدالت نے یہ تب شور مچایا او حاکمِ ناری تجھے اب بھی عرق آیا

لاکھوں کے قدم اٹھ گئے اک شیر کے ڈر سے

دیووں کے جگر آب ہیں، پیاسے کے خطر سے

وہ ظالم بزدل تو نہ خرگاہ سے نکلا اک کلپ سیہ مسکنِ روباہ سے نکلا
غل تھا کہ وہ بد، خیمہ بد راہ سے نکلا زخموں کے کنوئیں جھانکنے کو چاہ سے نکلا

ہوگی سر و گردن میں جدائی یہ نہ سمجھا

ہے یوسفِ حیدر سے لڑائی یہ نہ سمجھا

حضرت کے قرین آکے یہ چلایا کہ ہشیار مولا نے بھی نعرہ کیا مدہوشِ خبردار
چلایا کہ اسود ہوں میں اسے سید ابرار فرمایا کہ نام اپنا بدل ڈال سیہ کار

ایسا تو سبک ہے کہ نگاہوں سے گرا ہے

اسود ہے مگر قبلۂ ایماں سے پھرا ہے

بولا کہ سپر سے نہیں رکتا ہے مرادار فرمایا سپر باندھ کے کب آتے ہیں جرار
چلایا کہ بجلی ہے مری تیغِ شرر بار فرمایا کہ قہر و غضب حق ہے یہ تلوار

چلایا کہ میں سام کا ہمسر ہوں و غا میں

فرمایا کہ سرسام نہ ہو گرم ہوا میں

چلایا وہ کالا ہوں کہ منتر نہ چلے گا فرمایا کہ حیدر کا سپر مار نہ لگا
چلایا بلا ہوں تو کہا جلد ٹلے گا پھر بولا کہ آتش ہوں کہا خوب چلے گا

بولا کہ بیجِ قہر ہوں فرمایا بے گے گا

بولا میں قیامت ہوں کہا اٹھ کے رہے گا

یہ سن کے حرارت سے بڑھی اور شرارت برچھے کو ہلا کر جو بڑھا بانی بدعت
بے خوف ادھر رخس پہ بیٹھے رہے حضرت جس طرح علیٰ فرس نبیؐ پر شب ہجرت

یہ حال مگر تیغ نے نیزہ کا کیا تھا

خاموش تھا اور بند سے ہر بند جدا تھا

۹۷

نیزہ کا جو اس ظالم سرکش نے کیا وار آنکھوں کے اشارے سے کہا شہ نے خبردار
جس جا تھا وہیں رہ گیا بس دست جفا کار یاں تیغ نظر قتل پہ ہونے لگی تیار

اسود کو جو سودا صفتِ قیس ہوا ہے

ابرو بھی کماں لے کے ادھر لیس ہوا ہے

۹۸

واقف جو نہ تھا جو ہر سلطانِ زمن سے نیزے کو ملانے لگا حضرت کے ذہن سے
شمشیرِ ید اللہ گری ڈانڈ پہ چھن سے سن ہو گیا مکار بناں اڑ گئی سن سے

نصرت نے ندا دی کہ یہ پیغامِ اجل ہے

او سبز قدمِ حیرتی بغاوت کا یہ پھل ہے

۹۹

پھر تیغ لی جو اس نے تو ہر وار کو روکا دو چار کو خالی دیا دو چار کو روکا
ظالم نے بھی تلوار پہ تلوار کو روکا یا آہنہ پر برقی شرربار کو روکا

یہ تیغ نظر ہے کہ پلک سے نہیں رکتی

پر کانٹے کے وقت ملک سے نہیں رکتی

۱۰۰

اللہ رے حربِ پسرِ حیدر کرار اللہ کا وہ زور ید اللہ کی وہ تلوار
خورشیدِ لقا، ماہِ جبیں، آئینہٴ رخسار گہہ طور کی بجلی تھی، گہے نور کا دیدار

جلوہ جو نگاہوں میں ہے اُس تیغ کی ضو کا

اب تک تو سر اٹھا نہیں تیغِ مہِ نو کا

اللہ رے وہ رد و بدل اور وہ صفائی کچھ دست درازی ستم آرا نے دکھائی
یاں ہاتھ سے چھوٹی نہ ید اللہ کی گہائی معشوقوں کی تکرار وہ تیغوں کی لڑائی

بل کھا گئیں معشوقوں کی بانہوں کی طرح سے

لڑنے لگیں عاشق کی نگاہوں کی طرح سے

۱۰۲

ساقی کا بھلا، مے کا کوئی جام ادھر بھی بے نشہ یہ عالم ہے، کہ اٹھتا نہیں سر بھی
اور پیاس کی شدت سے تڑپتا ہے جگر بھی گر پھول پلائے گا تو پائے گا شمر بھی

عالم میں سخی خلق خدا تجھ کو کہے گی

بھٹی تری گلزار خزاں میں بھی رہے گی

۱۰۳

مئے پینے کا ساماں بھی مگر ہو شرابا ہو گلشن کوئی شاداب ہو، نہریں ہوں ہوا ہو
دلکش ہو کوئی ساز، تو پرسوز صدا ہو پھولوں کا بھی شیشوں کے قرین، ڈھیر لگا ہو

چلتی ہو ہر اک کشتی مے اپنے عمل میں

اور شاہد مضمون سا ہو معشوق بغل میں

۱۰۴

لیکن تری مے پر نہیں زنبہار فدا ہوں اب تک تو نجس چیز سے بے لاگ بچا ہوں
کیا جانے تو رتبہ مرا، میں کون ہوں کیا ہوں کس میکدے کا رند ہوں، کس در کا گدا

آغازِ جوانی سے یہی فکر رہا کی

مے حُبِ علیؑ کی ہو گزکِ ہُکمرِ خدا کی

۱۰۵

میں چھیڑتا تھا تجھ کو تو ناراض نہ ہونا آپس میں سبھی ہنستے ہیں ہوتا ہی ہے ایسا
ہوں مست ازل مے کی نہیں کچھ مجھے پروا جس نشہ میں سرشار ہوں کیف اس کا کہوں کیا

رہتا ہے جو اس ماہ کا ہالا وہی جانے

مرشد کا پیا جس نے پیالا وہی جانے

انگور کی سے اور ہے یہ اور قلم ہے پیتے ہیں ملائک بھی جسے، یہ وہ رقم ہے
شیریں ہے پئے دوست، عدو کے لئے سم ہے پی لی ہے اگر آج تو کل کا نہیں غم ہے

میں نوش کو اس کے کوئی کلفت نہیں رہتی

حد یہ ہے کہ پہر فکرِ قیامت نہیں رہتی

۱۰۷

کیا چیز ہے ہر مومنِ کامل کو خدا دے غفلت کا جو آنکھوں پہ ہے پردہ وہ اٹھادے
حجت نہیں کرتے، ہمیں کم دے کہ ہوادے شیشے ہی کے پردے سے جھلک صرف دکھادے

اپنے لئے آساں رہ دشاوار تو کر لیں

پی لیں گے کبھی، پر ابھی دیدار تو کر لیں

۱۰۸

ہر چند کہ وہ دیو تھکا، رد و بدل سے اس طرح کا موذی تھا، کہ باز آیا نہ بل سے
ہاتھ اس کے ہنکنے جو لگے، خوفِ اجل سے سینے پہ نئے پھول کھلے، تیغ کے پھل سے

زخموں سے نیا جشن کا ساماں نظر آیا

ناری کا بدن سرو چراغاں نظر آیا

۱۰۹

پھر ہاتھ نہ قابو میں رہا اور نہ کلائی اس طرح سے ہاپنا کہ زباں بھی نکل آئی
نکلی جو زباں شاہ نے تلوار لگائی گویا کہ خموشی نے بڑی دھوم مچائی

قابل تھی زباں خود کہ یہ جھوٹوں کی سزا ہے

لے دیکھ سلخ شور یہ ٹرشی کا مزا ہے

۱۱۰

کائی تو زباں خون کتا واہ رے نیرنگ غل پڑ گیا اسود تھا مگر لال ہوا سنگ
خم ہو کے اُگلتا تھا لہوِ عالمِ سرہنگ پہلو سے یہ چلا کے پھری تیغ دمِ جنگ

کیوں اس کے دل سخت میں شیطان کو دیکھوں

ہاں چرخ سے اتری ہوں میں کیوں ساں کو دیکھوں

پہلو پہ کھچا خط تو یہ چلائے محمدؐ ہاں بوسہٴ اُسود سے فزوں ہے یہ جد و کد
پھر سر جو اڑایا تو ندا آئی بلازو اے تیغ بڑا جج ہے یہ قربانی اُسود

حیرت ہے کہ دل شوق میں حلقوم کے چھوڑا

بھاری تھا یہ پتھر جو اسے چوم کے چھوڑا

۱۱۲

ناگاہ یہ آواز علیؑ کان میں آئی تلوار کو اب روک لو اے حق کے فدائی
لازم ہے مری جان تمہیں وعدہ وفا کی ہاں صبر بھی دکھلا دو دکھائی جو لڑائی

یہ عصر کا ہنگام ہے مشغول دعا ہو

شیر جو ہے فرض، بس اب اس سے ادا ہو

۱۱۳

خوش ہو گئے یہ سن کے شہ صابر و شاکر عازم ہوا جنت کا مدینے کا مسافر
پھر آگئے ہر سمت سے بھاگے ہوئے کافر نرفہ میں گرا قبر پیبرؐ کا مجاور

اک شور تھا دو روز کے پیاسے کو گرا دو

گھوڑے سے محمدؐ کے نواسے کو گرا دو

۱۱۴

کاشی میں رکھی تیغ تھے سید ابرار فرمایا کہ اب لڑ چکا یہ بیکس و ناچار
ہاں میان سے باہر نہ کبھی آنا خبردار یہ حکم سنا شہ کا تو گویا ہوئی تلوار

پیاسے کی ہوں تلوار تو پیاسی ہی رہوں گی

اک بوند لبو تا دم رجعت نہ پیوں گی

۱۱۵

ہر سمت سے پھر شہ کو ستم گاروں نے گھیرا بے جرم و خطا لاکھوں کمانداروں نے گھیرا
مجرور کو مغموم کو مکاروں نے گھیرا زہرا کے کلیجے کو دل آزاروں نے گھیرا

مظلوم کے اک دل پہ ہزاروں غم وہم تھے

تلواروں میں نیزوں میں نہاں شاہ ام تھے

اس دکھ میں امام دوسرا، وائے مصیبت شہیرِ گرفتار بلا، وائے مصیبت
یہ رنج یہ آفت یہ جفا، وائے مصیبت تلواریں ہیں سو ایک گلا، وائے مصیبت

پہلو میں نہ اکبر ہیں نہ عباسؑ جواں ہیں

جواںکھوں کے تارے تھے وہ نظروں سے نہاں ہیں

رتبہ میں جو تھا مصحفِ داور کے برابر تیروں کا ہدف آج ہے وہ سینہ انور
سرتاج جہاں ہے چمنِ دہر میں جو سر صد حیف اسی سر کیلئے تیز ہیں خنجر

پیوست ہوئے تیر عماسے میں قبا میں

زخمی ہیں وہی لب جو رہے ذکرِ خدا میں

لڑنے کے لئے آئے ہیں مظلوم سے سرہنگ بدلا ہے نیا اس چمنِ دہر نے کچھ رنگ
تلوار لگاتا ہے کوئی اور کوئی سنگ پیدل بھی بڑھے آتے ہیں پکس سے پنے جنگ

نرغہ ہے نئی زادے پہ افواجِ عدو کا

ایک ایک جواں فوج کا، پیاسا ہے لہو کا

اب ضعف سے بے حس ہیں ابھی کیسے لڑے ہیں چہرہ ہے اداس آنکھوں میں حلقے بھی پڑے ہیں
سینہ نظر آتا نہیں یوں تیر گڑے ہیں امت کی شفاعت پہ کمر باندھے کھڑے ہیں

بہتا ہے یہ خوں تن سے کہ گل رنگِ قبا ہے

لیکن ذہنِ زخم سے بخشش کی دعا ہے

فرماتے ہیں اب رحم مرے حال پہ کھاؤ میں جانِ تیمیر ہوں زیادہ نہ ستاؤ
کیا کرتے ہو، دانستہ جہنم میں نہ جاؤ دنیا سے نہ زہرا کے مرقع کو مٹاؤ

توقیر بھلاؤ نہ حسینؑ ابنِ علی کی

تصویر ہوں میں صفحہٴ عالم پہ نئی کی

ڈیوڑی سے نظر آیا جو زینب کو یہ ساماں خیمہ سے چلی روتی ہوئی با سرِ غریاں
چلاتی تھی تربت سے اٹھو یا شرہ مرداں بھائی مرا دنیا میں کوئی دم کا ہے مہماں

تکواریں سے دو روز کے پیاسے کو بچالیں

تانا سے کہو آ کے نواسے کو بچالیں

۱۲۲

پھر شہ کو پکاری، مرے سید مرے بھائی اے پوچھنے والے مرے، اے حق کے فدائی
یثرب سے تجھے موت یہاں کھینچ کے لائی لٹ جائے گی اب دشت میں اماں کی کمائی

آتا ہے جگر منہ کو، تری کم سخنی پر

سو جان سے قربان، تری بے وطنی پر

۱۲۳

دو حکم تو آؤں، مرے ماں جائے برادر تیغوں سے بچاؤں، مرے ماں جائے برادر
زہرا کو بلاؤں، مرے ماں جائے برادر کیونکر تمہیں پاؤں، مرے ماں جائے برادر

زندہ کوئی غمخوار تمہارا نہیں بھیا

جز موت کچھ اس درد کا چارا نہیں بھیا

۱۲۴

عباس علی بھر مد نہر سے آؤ فرزند ید اللہ کو نیزوں سے بچاؤ
اے عون و محمد مجھے پھر شکل دکھاؤ آ کر مرے بھائی کے عوض برچھیاں کھاؤ

کس سمت ہیں اکبر کہ مصیبت یہ پڑی ہے

اے لال، پھوپھی پر یہ قیامت کی گھڑی ہے

۱۲۵

چلاتی تھی کونین کے سرور کو نہ مارو مظلوم کو ناچار کو بے پر کو نہ مارو
ناشاد کو غم دیدہ کو مضطر کو نہ مارو خالق سے ڈرو سبطِ پیہر کو نہ مارو

راضی ہوں کہ خنجر مری گردن سے ملا دو

ایذا نہ مگر قبر میں، حیدر کو ذرا دو

اونٹ اس کے لئے بنتے تھے مسجد میں پیبرؐ سینے پہ سلاتے تھے ہمیشہ اسے حیدر
جریل جلاتے تھے اسے خلد سے آکر یہ رونق اسلام ہے یہ حجتِ داور

خالی نہ کرو خلق کو سلطانِ ام سے

آباد ہے یثرب اسی مظلوم کے دم سے

۱۲۷

زینبؓ تو ادھر روتی تھیں بکھرائے ہوئے بال ناگاہ گرا گھوڑے سے واں فاطمہؓ کا لال
تانے ہوئے نیزوں کو بڑھی فوج بد افعال زخموں سے ہوا تھا، شہ والا کا عجب حال

روتے تھے نبیؐ منہ تھا نواسے کی جبین پر

غش میں تھے شہنشاہِ امِ گرم زمیں پر

۱۲۸

سر پیٹو عزادارو یہ آفت کی گڑھی ہے تھراتے ہیں افلاک قیامت کی گھڑی ہے
یہ سبطِ پیبرؐ پہ مصیبت کی گھڑی ہے لوشمر بڑھا شہ کی شہادت کی گھڑی ہے

سینے پہ لعین، خنجرِ خونخوار گلے پر

لو پھیر دی جلاد نے تلوار گلے پر

۱۲۹

سورج کو گہن لگ گیا، تیرہ ہوا عالم جنبش میں زمیں آئی، ہلا چرخ بھی پیہم
کھسار بھی دب دب کے پکارے کہ چلے ہم حیوانوں میں بھی شاہ کا برپا ہوا ماتم

لپٹے ہوئے روتے تھے تلکِ عرشِ علا سے

آتی تھی صدا ہائے حسینا کی ہوا سے

۱۳۰

موقوف کراب مرثیہ بزمِ جگر افکار بے ہوش ہے مجلس میں ہر اک مومن دیندار
غش فاطمہؓ ہیں روتے ہیں خود احمدؓ مختار اب عرض یہ کر شہ سے کہ یا سیدِ ابرار

مقبول جہاں کیجے مرے حُسنِ بیاں کو

مداحیِ سرور سے رہے کام زباں کو

مرثیہ: ۱۷

درحال حضرت امام حسین علیہ السلام

مطلع

بن بیا ہے جواں بیٹے کا ماتم ہے حرم میں

تعداد بند: ۱۰۷